

حسرت موہانی (غزل نمبر 2)

(پور 2008-2009)

شعر نمبر 1:

رسم جفا کامیاب، دیکھیے کب تک رہے
حب وطن مست خواب، دیکھیے کب تک رہے

تشریح: سید فضل الحسن المعروف حسرت موہانی اردو کے مشہور غزل گو شاعر اور تحریک آزادی کے راہ نمائے تھے۔ غم دوراں غم جاناں اور عصری حالات پر مبنی حسرت کے اشعار معاملات محبت کے ترجمان بھی ہیں اور زندگی کی تلخیوں کے عکاس بھی۔
زیر تشریح شعر میں حسرت کہتے ہیں کہ ”انگریز کے ظلم کی رسم نہ جانے کب تک کامیاب رہتی ہے اور لوگوں کے دلوں میں وطن کی محبت نہ جانے کب تک سوئی رہتی ہے۔“

حسرت موہانی کی یہ غزل مسلسل ایک خاص پس منظر میں لکھی گئی ہے۔ جس دور میں انھوں نے یہ غزل لکھی اس دور میں برصغیر پر انگریزوں نے قبضہ جمار کھا تھا۔ انگریز نے برصغیر والوں سے آزادی کی نعمت چھین کر انھیں غلامی کی بیڑیوں میں جکڑ لیا تھا۔ انگریز نے اپنے اقتدار کے دوران مسلمانوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم کیے۔ مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ اُن سے اُن کی زمینیں چھین لی گئیں۔ اُن کے عہدے واپس لے لیے گئے۔ مسلمان رہنماؤں کو قید کیا گیا۔ بے شمار لوگوں کو سزائے موت دی گئی۔ مسلمان ہونا جرم قرار پایا۔ مسلمانوں کا معاشی و معاشرتی استحصال کیا گیا۔ غرض ہر طریقے سے مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھائے گئے۔ حسرت موہانی کی اسی غزل کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

نام سے قانون کے ہوتے ہیں کیا کیا ستم
جبر بہ زیر نقاب دیکھیے کب تک رہے
دولت ہندوستان، قبضہ اغیار میں
بے عدد و بے حساب دیکھیے کب تک رہے

حسرت موہانی انگریز کے مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ انگریز بڑے عرصے سے مسلمانوں پر ظلم و ستم کرنے میں کامیاب رہا ہے۔ اُس نے ظلم و ستم کرنا اپنی عادت اور رسم بنا لیا ہے۔ انھیں بڑی بے چینی اور بے قراری سے اُس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب انگریز کے ان مظالم کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ مومن خان مومن نے یہی کیفیت کچھ یوں بیان کی ہے:

کب تک یہ ستم کے طور ظالم
کب تک یہ جفا و جور ظالم

شعر کے دوسرے مصرعے میں حسرت موہانی برصغیر کے مسلمانوں میں غفلت اور محبت وطن کی کمی پر تنقید کر رہے ہیں۔ وطن سے محبت ہر جاندار کی فطرت میں شامل ہے جس طرح اگر پودے کو اس کی جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لگایا جائے تو وہ مرجھا جاتا ہے۔ پرندے جو موسم تبدیل ہونے پر ہزاروں میل کا سفر طے کر کے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں اور پھر موسم تبدیل ہونے پر اپنی سرزمین پر واپس آ جاتے ہیں۔ یہی حالت انسانوں کی بھی ہے۔ وطن سے یہ فطری محبت اس لیے ہوتی ہے کہ وطن انسان کی پہچان ہوتا ہے۔ انسان کو جس شے سے محبت ہوتی ہے اس کو تباہ و برباد ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا ہے۔ محبت کا یہ تقاضا ہے کہ انسان اپنی محبوب ہستی یا شے کی حفاظت کرتا ہے۔ حسرت موہانی کا موقف ہے کہ

برصغیر کے لوگوں پر جو ظلم ہو رہا ہے اور جس طرح وہ ہر سختی کو برداشت کر رہے ہیں اس رویے کو دیکھ کر اس طرح لگتا ہے کہ لوگوں کے دل میں وطن کی محبت سوئی ہوئی ہے اور وہ یورپ کی غلامی پر رضامند ہیں۔ اقبالؒ نے اپنے ایک شعر میں اپنے ہم وطنوں سے یہی شکوہ کچھ یوں کیا ہے:

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلا تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

مختصر یہ ہے کہ حسرت نے پہلے مصرے میں انگریز کے مظالم پر اور دوسرے مصرے میں مسلمانوں کی غفلت پر تنقید کی ہے۔ انھیں شدت سے اُس وقت کا انتظار ہے کہ جب انگریز کے ظلم کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا اور مسلمانوں کے دل میں وطن کی محبت جاگ اُٹھے گی۔ فیضؒ نے اپنے ایک شعر میں حکومت اور عوام کی ان ہی دو خامیوں کا ذکر کچھ یوں بیان کیا ہے۔

اک گردن مخلوق، جو ہر حال میں خم ہے
اک بازوئے قاتل کہ خوں ریز بہت ہے

شعر نمبر 2:

دل پہ رہا مدتوں، غلبہ یاس و ہراس
قبضہ حزم و حجاب، دیکھیے کب تک رہے

تشریح: سید فضل الحسن المعروف حسرت موہانی اردو کے مشہور غزل گو شاعر اور تحریک آزادی کے راہ نمائے تھے۔ غم دوراں غم جاناں اور عصری حالات پر مبنی حسرت کے اشعار معاملات محبت کے ترجمان بھی ہیں اور زندگی کی تلخیوں کے عکاس بھی۔ زیر تشریح شعر میں حسرت کہتے ہیں کہ ”مسلمانوں کے دل پر ایک طویل عرصے تک ”خوف اور مایوسی“ چھائی رہی۔ دیکھتے ہیں یہ ”احتیاط اور جھجک“ کب تک برقرار رہتی ہے۔“

حسرت موہانی کے اس شعر میں دو مختلف ادوار کی نشاندہی کی گئی ہے۔ شعر کے پہلے مصرعے میں جب آزادی 1857ء کے بعد مسلمانوں کی دلی کیفیت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جب آزادی سے قبل مسلمانوں نے انگریز سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے بہت سی کوششیں کیں۔ احمد شاہ ابدالی، ٹیپو سلطانؒ اور سید احمد شہیدؒ نے مسلمانوں کو آزادی دلانے کے لیے پے درپے کوششیں کیں لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ جب آزادی میں بھی مسلمانوں کو شکست کا سامنا کرنا پڑا تو مسلمانوں کے دل میں انگریز کا خوف بیٹھ گیا۔ وہ یہ سمجھنے لگے کہ انگریز ناقابل شکست ہے۔ یوں وہ آزادی کے حصول سے مایوس ہو کر رہ گئے۔ مسلمانوں کی دلی حالت کچھ یوں تھی جیسا کہ سائر لدھیانوی نے اپنے اس شعر میں بیان کی ہے:

دلوں پہ خوف کے پہرے، لبوں پہ قفل سکوت
سروں پہ گرم سلاخوں کے شامیانے ہیں

مسلمان ایک عرصے تک اسی خوف و ہراس کا شکار رہے۔ لیکن جب سید احمد خانؒ اور دیگر مسلم رہنماؤں نے اپنی کوششوں سے مسلمانوں میں تعلیمی شعور بیدار کیا، اُن کی معاشی اور معاشرتی حالت بہتر بنانے کی کوششیں کیں اسی طرح جب 1906ء میں جب مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا تو مسلمانوں کے دل سے مایوسی اور خوف و ہراس ختم ہو گیا۔ انھیں اُمید کی ایک کرن نظر آئی۔ لیکن اُن حالات میں مسلمانوں کے دل میں ”مایوسی اور خوف“ کی جگہ ”احتیاط اور جھجک“ نے لے لی۔ اب مسلمان خوفزدہ اور مایوس تو نہیں تھے لیکن اپنے حقوق کے مطالبات میں شرم اور جھجک اختیار کرتے ہوئے محتاط رویے اور مصلحت سے کام لینے لگے تھے۔ فیض احمد فیضؒ کا کہنا ہے:

نثار میں تری گلیوں پہ اے وطن! کہ جہاں
چلی ہے رسم کہ کوئی نہ سر اٹھا کے چلے

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں اُسی دور کا ذکر کرتے ہوئے حسرت کا یہ کہنا ہے کہ مسلمانوں کے دل سے مایوسی اور خوف تو ختم ہو گیا ہے، دیکھتے ہیں اب یہ احتیاط اور جھجک کا رویہ کب تک برقرار رہتا ہے۔ یعنی وہ بہت بے چینی سے اُس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب مسلمانوں کے دل سے یہ احتیاط اور جھجک بھی ختم ہو جائے گی۔ مختصر یہ کہ حسرت مسلمانوں کو یہ نصیحت کرنا چاہتے ہیں کہ انھیں محتاط رویہ نہیں رکھنا چاہیے بلکہ آزادی حاصل کرنے کے لیے انھیں جبر کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے اور نصب العین کے حصول تک جدوجہد جاری رکھنی چاہیے اور اپنے وطن کے لیے فکرمند ہونا چاہیے۔ اقبالؒ نے بھی اپنے ہم وطنوں کو اسی طرح کی نصیحت کچھ یوں کی ہے:

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو!
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستاںوں میں

شعر نمبر 3:

تا بہ کجا ہوں دراز، سلسلہ ہائے فریب
ضبط کی لوگوں میں تاب دیکھیے کب تک رہے

تشریح: سید فضل الحسن المعروف حسرت موہانی اردو کے مشہور غزل گو شاعر اور تحریک آزادی کے راہ نمائے تھے۔ غم دوراں غم جاناں اور عصری حالات پر مبنی حسرت کے اشعار معاملاتِ محبت کے ترجمان بھی ہیں اور زندگی کی تلخیوں کے عکاس بھی۔ زیر تشریح شعر میں حسرت کہتے ہیں کہ ”انگریز کے فریب کے سلسلے کب تک طویل ہوں گے اور لوگ کب تک تحمل کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔“

جب لوگ محرومیوں کا شکار ہوں تو ایک امکان یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ حقوق کے حصول کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور ان افراد یا اداروں کو ختم کرنے کی کوشش کریں جو ان کے حقوق غصب کیے ہوئے ہیں۔ اس صورت حال میں لوگوں کو مختلف رویوں کے دھوکوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ انھیں سبز باغ دکھائے جاتے ہیں۔ روشن مستقبل کی خوش خبری سنائی جاتی ہے اور مجبور اور بے بس افراد اس دھوکے میں آ بھی جاتے ہیں۔ انگریز نے بھی برصغیر والوں سے بہت سے دھوکے دیے۔ انگریز کا سب سے بڑا دھوکا تو یہ تھا کہ وہ برصغیر میں تجارت کے بہانے آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے برصغیر پر قبضہ جمالیا۔ اسی طرح اُس نے دورانِ اقتدار بھی کئی دھوکے دیے۔ اُس نے کئی دفعہ برصغیر سے جانے کا اعلان کیا لیکن عین وقت پر وہ مکر گیا۔ برصغیر کی مجبور اور بے بس عوام پر انگریز کے ان دھوکوں کا جادو چل گیا۔ وہ انگریز کی اس چالاکی سے دوبارہ غفلت کی نیند سو گئے۔ اقبالؒ کا کہنا ہے:

خواب سے بیدار ہوتا ہے ذرا محکوم اگر
پھر سُلا دیتی ہے اُس کو حکمراں کی سحری

انگریز کے دھوکا دہی کا سلسلہ جاری تھا اور مسلمان انگریز کے تمام مظالم اور دھوکوں کو برداشت کر رہے تھے۔ چنانچہ شعر کے دوسرے مصرعے میں حسرت موہانی مسلمانوں کی اسی سوچ پر تنقید کرتے ہوئے انھیں یہ نصیحت کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کو انگریز کے مظالم برداشت کرنے

کے بجائے اُن کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

”ظالم حکمران کے سامنے کلمہ حق بلند کرنا افضل جہاد ہے۔“

مسلمانوں کو یہ چاہیے کہ وہ انگریز کے ان مظالم اور دھوکوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے مکمل جدوجہد کریں کیوں کہ جو شخص ظالم کے ظلم کو برداشت کرتا ہے اور اُسے اس سے نہیں روکتا درحقیقت وہ بھی ظالم کے ظلم میں برابر کا شریک ہے۔ سائر لدھیانوی کا کہنا ہے:

ظالم کو جو نہ روکے، وہ شامل ہے ظلم میں
قاتل کو جو نہ ٹوکے، وہ قاتل کے ساتھ ہے

مختصر یہ کہ حسرت موہانی بڑی بے چینی اور بے قراری سے اُس وقت کا انتظار کر رہے ہیں جب انگریز کا دھوکا دہی کا یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا کیوں کہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے اور اس حد سے جب کوئی شے بڑھ جائے تو اس کے خلاف رد عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح حسرت موہانی کو مسلمانوں کی ”برداشت کی طاقت“ کے خاتمے کا شدت سے انتظار ہے۔ یعنی پہلے مصرے میں وہ انگریز کے مظالم اور دوسرے مصرعے میں مسلمانوں کی برداشت کی طاقت کے خاتمے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مسلمانوں سے یہی شکوہ کیا ہے:

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلا تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

شعر نمبر 4:

پردہ اصلاح میں، کوشش تخریب کا
خلق خدا پر عذاب، دیکھیے کب تک رہے

تشریح: سید فضل الحسن المعروف حسرت موہانی اردو کے مشہور غزل گو شاعر اور تحریک آزادی کے راہ نمائے۔ غم دوراں غم جاناں اور عصری حالات پر مبنی حسرت کے اشعار معاملاتِ محبت کے ترجمان بھی ہیں اور زندگی کی تلخیوں کے عکاس بھی۔ زیر تشریح شعر میں حسرت کہتے ہیں کہ ”خدا کی مخلوق پر“ اصلاح کے پردے“ میں ”تباہی و بربادی کی کوشش“ کا عذاب دیکھتے ہیں کب تک رہتا ہے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین پر فساد پھیلانے والوں کو ناپسند کیا ہے لیکن بعض لوگ فساد کو اصلاح کا نام دے دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اصلاح کی بنا پر بھی فتنہ اور فساد کو ناپسند کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

”کہ جب ان سے کہا جائے کہ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں ہم تو اصلاح کر رہے ہیں۔“

برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں نے اصلاح کے نام پر یہاں کی معاشرتی، سماجی، اخلاقی اور سیاسی قدروں کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کی۔ کیوں کہ مغرب والوں کا یہ اصول رہا ہے۔ ”تقسیم کرو اور حکومت کرو۔“ یعنی انگریز ”امن اور اصلاح“ کا نعرہ لگا کر درحقیقت ہر طرف تباہی اور بربادی پھیلا رہا تھا۔ سائر لدھیانوی نے اسی صورتحال کا نقشہ کچھ یوں کھینچا ہے۔

بنام امن ہیں جنگ و جدل کے منصوبے
بشورِ عدل تفاوت کے کارخانے ہیں

در اصل کوئی بھی حکومت یہ نہیں چاہتی کہ اس کے خلاف کسی بھی طرح کی مزاحمت ہو اور اگر یہ مزاحمت موجود ہو تو اسے ختم کرنے کی

کوششوں کو اصلاح کا نام، دے دیا جاتا ہے اور لوگوں کو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے ان سے آزادی رائے چھین لی جاتی ہے ان کی پہچان ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور انھیں بعض اوقات ناکردہ غلطیوں کی سزا بھی دی جاتی ہے۔ برصغیر میں بیسویں صدی کے آغاز میں انگریز حکومت نے یہ کہا کہ ہر دس سال بعد برصغیر میں اصلاحات نافذ کی جائیں گی تاکہ مقامی لوگوں کے حقوق کی حفاظت ہو سکے لیکن ان اصلاحات کے نام پر درحقیقت مقامی لوگوں کے حقوق غصب کیے جانے لگے۔ جس کی بدترین مثال 1919ء میں رولٹ ایکٹ کا نفاذ تھا۔ جس کے ذریعے لوگوں سے آزادی اظہار چھین لی گئی۔ جس پر احتجاج کرنے کے نتیجے میں جلیانوالہ باغ کا سانحہ ظہور پذیر ہوا۔ حسرت موہانی کا کہنا ہے:

نام سے قانون کے ہوتے ہیں کیا کیا ستم
جبر بہ زیرِ نقاب دیکھیے کب تک رہے
دولتِ ہندوستان، قبضہ اغیار میں
بے عدد و بے حساب دیکھیے، کب تک رہے

دراصل انگریز نے دورانِ اقتدار برصغیر کے لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے بظاہر بہت سے اچھے کام کیے۔ اُس نے ریلوے کا محکمہ بنایا، کئی ہسپتال تعمیر کیے، کئی کالج بنائے۔ لیکن یہ سب چیزیں عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی کو سونے کے پنجرے میں قید کر کے اُس سے آزادی چھین لیں تو یہ اُس کے ساتھ دھوکا کے مترادف ہے اور انگریز نے بھی یہی کیا۔ مختصر یہ کہ حسرت موہانی کا موقف یہ ہے کہ برصغیر کے لوگوں کو اصلاح کا جھانسا دے کر کب تک بے وقوف بنایا جاتا رہے گا۔

کب تک یہ ستم کے طورِ ظالم
کب تک یہ جفا و جورِ ظالم

(مومن خان مومن)

شعر نمبر 5:

حسرتِ آزاد پر، جورِ غلامانِ وقت
از روِ بغض و عتاب، دیکھیے کب تک رہے

مفہوم:

نہ جانے کب تک ابنِ الوقت ہم سے دشمنی کرتے رہیں گے اور ہم پر ان کی وجہ سے مصیبتیں نازل ہوتی رہیں گی۔

☆☆☆☆☆